Article

A critical analysis of the artistic presentation of Islamic allusions in Atish's Ghazals

آتش کی غزلیات میں اِسلامی تلمیحات کی فنّی پیش کش کا تنقیدی تجزیہ

Mohsin Khalid Mohsin*[1]
Department of Urdu Government Shah Hussain Associate College, Lahore

[1]محسن خان محسن
شعبہ اردو، گورنمنٹ شاہ حسین ایسوسی ایٹ کالج، لاہور

Correspondance: mohsinkhalid53@gmail.com

eISSN:**3005-3757**
pISSN: **3005-3765**

Received: 15-08-2023
Accepted:20-12-2023
Online:30-12-2023

Copyright:© 2023 by the authors. This is an access-openarticle distributed under the terms and conditions of the Creative Common Attribution (CC BY) license

ABSTRACT: This paper is based on an analytical study of the diverse use of the art of allusions in the ghazals of Khawaja Haider Ali Atish. In this paper, an attempt has been made to bring out this trend, which discusses the semantic explanations of the diverse uses of Islamic allusions in Ghazalyat-i-Atish. The art of allusions appears to be used to the extent of a formal gradient by classical poets. Atish has given special attention to the art of allusions by adapting it to the form of ghazal and giving new meanings to its poetic necessity and artistic value. While this paper is an attempt to bring out Atish's devotion and connection with Islam, it is also an expression of Atish's linguistic ability and grasp of language.

KEYWORDS: Classical Ghazal, Allusion, Islam, Sufism, Urdu Language, Saint, Islamic Religion, Eastern Values, Heaven

دُنیا میں کوئی زبان ایسی نہیں ہے یا تھی جس میں مذہب کی تعلیم اور اس کی ترویج کو کسی جابر اور خود مختار حکمران نے روک لگانے کی کوشش کی ہے۔ زبان اپنے اندر انتقالِ احساس کی پوری صلاحیت رکھتی ہے۔ یہ کسی صورت ممکن نہیں کہ زبان میں انتقال اور ترسیل کی قوت کو سلب کر دیا جائے۔ زبان فطرت کی آواز ہوتی ہے۔ زبان ہی انسان کی جملہ کیفیات وواردات کا چشم دید گواہ ہوتی ہے۔ زبان کے بغیر انسان گُنگ اور زبان انسان کے بغیر اپنی شناخت کو برقرار نہیں رکھ سکتی۔ اُاردو زبان کی یہ خوش قسمتی ہے کہ اس میں ہر طرح کے جذبات و احساسات اور بیانیے کو بیان کرنے کی پوری صلاحیت موجود ہے۔ اُردو زبان نے صدیوں کے تشکیلی عمل کا سفر طے کیا ہے۔ اس میں گھاٹ گھاٹ کی تہذیبوں، رواجوں، ثقافتوں اور فنونِ مبادیات کا رس شامل ہے۔ اُردو زبان کی جملہ اصناف میں متنوع اظہارِ خیالات کی گنجائش موجود ہے۔

اُردو زبان میں سب سے پہلے شعر کہا گیا ہے اس کے بعد لطیف اور پُر اثر فقرے تراشے گئے ہیں۔ اُردو زبان کی قدامت میں بھی جدت کا عنصر اوائل سے دخیل رہا ہے جس نے مرورِ وقت کے ساتھ وسعت اور اہمیت کو کسی صورت زائل نہیں ہونے دیا۔ شعرا نے عمر بھر جو کچھ محسوس کیا، اُسے نئے نئے مفاہیم سے روشناس کروانے اور اپنے قارئین تک بات کو پہنچانے کے لیے زبان کی طبیعت سے لگا کھاتی اصناف میں طبع آزمائی کی۔

کلاسیکی غزل اس حوالے سے خوش قسمت رہی ہے کہ اس میں شعرا نے اوائل سے دلچسپی دکھائی اور دواوین ترتیب دیئے۔ قلی قطب شاہ سے لے کر مرزا خان داغ تک کلاسیکی غزل میں شعرا کی ایک کہکشاں ملتی ہے جنھوں نے غزل کو اپنا خونِ جگر پلا کر سینچا ہے اور اس کی آبیاری میں اپنا تن من اور دھن تک اس پر نثار کر ڈالا ہے۔ صدیوں کی ہتھیلی پہ چھالے کی مانند اس صنف کی پرورش و پرداخت کی جاتی رہی، تب جا کر کہیں اس صنف میں وہ تابناکی اور غضبناکی مدغم ہوئی ہے جس نے دیگر اصناف کی ضوفشانی کو مات دے کر اپنے قدموں تلے بٹھایا ہے۔

کلاسیکی غزل میں شعرا نے جہاں دُنیا جہان کے رجحانات و میلانات کو موضوع بنایا ہے وہاں مذاہب کی جملہ تعلیمات و تصورات کو بھی صنفِ غزل میں ایک خاص اہمیت اور جگہ دی ہے جسے براہ راست دواوین و کلیاتِ شعرا میں دیکھا جا سکتا ہے۔ ولی دکنی سے مرزا خان داغ اور حسرت موہانی سے احمد فراز تک مذہبی تصورات و میلانات اور مسائل و واہمات کی توضیح کا عنصر ملتا ہے۔

خواجہ حیدر علی آتش کی طبیعت میں درویشی اور متصوفانہ فکر کا ایک بڑا غلبہ ان کی کلیات کے مطالعہ سے محسوس ہوتا ہے۔ خواجہ صاحب اپنے زمانے کے معتبر اور بانکے شاعر تھے۔ ان کی وضع قطع اور سج دھج لائقِ دید تھی۔ جوانی میں ان کی شوریدہ مزاجی کے قصے زبانِ زدِ عام تھے۔ یہ سب کچھ اس دور کے رواج اور رجحان کے عین مطابق تھا۔ مرورِ وقت کے ساتھ ان کی طبیعت میں بدلاؤ آتا گیا اور یہ مذہب کی طرف قائل ہوتے گئے۔ آتش کی اوائل غزلوں میں مذہب سے بیگانگی جبکہ اواخر عمر کی غزلیات میں سراپا مذہبی اور متصوفانہ غلبے کا اثر دکھائی دیتا ہے۔

آتش کی شاعری وصل کے جذبے کی تعلیم کا بہترین ذریعہ ہے۔آتش کی شاعری عشق و وصل کے فطری جذبے کی تربیت کرتی ہے۔اس میں شائستگی اور ٹھہراؤ پیدا کرتی ہے۔اگر انسان سے جذبہ عشق خارج کر دیا جائے تو وہ خوش ہو جائے اور تشدد اس کی زندگی بن جائے۔آتش کی غزل عشق ا ور صل کے جذبوں کو تھپکتی،نرم و ملائم کرتی اور ان میں پاکیزگی پیدا کر کے انسان کو انسان بناتی ہے۔

شاعر کا کام محبت کرنا ہے،محبت کے احساس سے متعارف کروانا ہے۔یہ محبت کا فلسفہ اتنا سبک اور سطحی نہیں ہے کہ اسے قافیے کی لاٹھیوں کے سہارے سے شاعر فلکِ شعری پر ایستادہ کرتا ہے بلکہ محبت کے اس فلسفے میں اس کے اندر کی ذات مدغم ہوتی ہے۔یہ محبت انسان کو پہلے جسم سے ہوتی ہے بلکہ جسم میں پنہاں شخصیت سے ہوتی ہے پھر اس کومل اور نرمل شخصیت کے متنفس کو کشید کرنے والے خالق سے ہوتی ہے۔یوں خالق اور مخلوق کے درمیان ایک انمٹ رشتہ اُستوار ہوتا ہے جس سے فن پھوٹتا ہے،شاعری جنم لیتی ہے اور تخلیق کو چہرہ ملتا ہے۔

آتش کے محبت کے کئی شیڈ موجود ہیں۔ آتش نے انسان سے محبت کی ہے اور انسان کے بنانے والے خالق یعنی ربِ کائنات سے محبت کی ہے۔ آتش نے عمر کا ایک تہائی حصہ انسان سے محبت کے بول گانے اور احترامِ انسانیت کی لو سے چراغ کام لینے میں صرف کیا ہے۔

آتش کے مذہبی رجحان کو محبت کے فلسفے نے ثقیل کیا ہے۔ آتش کے ہاں سیکڑوں اشعار مل جاتے ہیں جن میں اخلاق،اقدار،انصاف،محبت،مودت،ہم آہنگی،میلانِ طبعی اور رجحانِ گروہی کا تذکرہ ملتا ہے۔ آتش کے ہاں جس مذہبی تعلیمات اور تصورات کا بیان ملتا ہے وہ ان کی ذات میں عملی تجربے کی وساطت سے شعر تک آیا ہے۔ آتش کے اشعار میں وارداتِ قلبی کی اُٹھان اتنی زبردست ہے کہ شعر معمولی اور سبک معلوم کے باوجود اپنے اندر تاثیر اور جذب کی شدت لیے ہوتا ہے۔

آتش کے ہاں علم بیان و بدیع کے جملہ عناصر کی کارفرمائی ملتی ہے۔ آتش کی زبان دانی پر کسی کو شک نہیں ہے۔ آتش روزمرہ اور محاورہ کے اُستاد تھے۔ ان کے کلام میں صناعی کی ایسی تصویریں موجود ہیں جن میں احساس کو لفظ کی انگوٹھی میں یوں پُرویا گیا ہے جیسے ہیرے کو تراش کر کفِ نگیں میں ڈھال لیا جاتا ہے۔ آتش نے اپنی شاعری کو مرصع سازی کہا ہے اور وہ اپنے بیان میں صد فیصد سچے ہیں۔

آتش کے ہاں تشبیہات و استعارات کے ساتھ تلمیح سے پورا کام لیا گیا ہے۔ آتش کے کلام میں تلمیحات کا ایک خزانہ موجود ہے جس پر ہنوز تحقیق نہیں کی گئی ہے۔ آتش نے اپنے کلام میں ہر طرح کی تلمیحات استعمال کی ہیں۔ آتش کے ہاں تلمیح کے استعمال کا ایک منفرد اور جدت آمیز تاثر ملتا ہے جس سے تلمیح کی شعری ضرورت کو جواز ملتا ہے اور شعری میں تلمیح کی موجودگی سے موضوع کی قطعیت میں اضافہ بھی ہوتا ہے۔

آتش ایک درویش منش انسان تھے،فقیری،بے نیازی،استغنا ان کے مزاج کا حصہ تھا،توکل،تحمل،حلم اور صبر و قناعت ان کی طرز زندگی تھی،اس لیے وہ ناصحؔ کی طرح نہ کسی کے آگے جھکے

اور نہ درباروں سے وابستہ ہوئے،بوریائے فقر پر ساری زندگی گزار دی،فقر ان کی کوئی مجبوری نہ تھی بلکہ ان کے لیے فخر تھا اور زندگی کی علویت کا نشان تھا۔فقر نے انھیں تما م رسوم دُنیا سے بالاتر کر دیا اور خود مذہبی رسوم سے بھی وہ بالاتر ہوگئے۔فقر و توکل سے ان کے لہجے میں سرشاری اور طمانت پیدا ہوئی۔ان کی شاعری خود ان کی زندگی سے پوری طرح جُڑی ہوئی تھی۔

ڈاکٹروزیر آغا لکھتے ہیں:

"ان کے اشعار میں نہ صرف قلندارانہ بے نیازی اور استغنا پائی جاتی ہے جو صوفیانہ مسلک کی طرف پہلے قدم کی حیثیت رکھتا ہے بلکہ ان میں امارت،مرتبہ اور جاہ و حشمت کی نفی کا بھی رجحان موجود ہے جو لکھنو کی پُر تکلف اور نشاط آمیز فضا کے خلاف آتش کے رد عمل کا ایک مزاج ہے"۔(۱)

آتش کی غزلیات میں اسلامی تلمیحات کی کثرت ہے۔اسلامی تلمیحات کی کثرت کی وجہ ان کا مذہب کی طرف فطری میلان کا حد سے بڑھا ہونا ہے۔آتش نے جوانی بانکوں کی سی گزاری تاہم معمری ان کی درویشی اور فقر میں گزری ہے۔آتش واحد شاعر ہیں جنھوں نے دُنیاداری اور دین داری کو جب تک ساتھ رکھا،پورے خلوص اور دلِ جذب سے نبھایا۔

تلمیح کا معاملہ یہ ہے کہ اس کے ذریعے شاعر مختصر الفاظ میں جو کہنا چاہتا ہے اُسے شعر میں بیان کرنے کے لائق ہو جاتا ہے۔ہزاروں برس پہلے گزرا ہوا واقعہ اگرچہ اپنی جگہ ایک حقیقت رکھتا ہے لیکن اس کی اہمیت بحر حال آج کے دور میں اُتنی نہیں ہے جتنی اس کے وقوع پذیر ہونے کے وقت پر تھی۔شاعر یہ کرتا ہے کہ اُس ہزاروں برس واقعے کو اپنے حال سے منسوب کر کے اپنے عہد کے حالات و واقعات کو اُس واقعے میں دکھانے کی کوشش کرتا ہے۔یہ عمل تلمیح کے توسل سے انجام کو پہنچتا ہے۔تلمیح ایک ایساڈسکورس ہے جس کے ذریعہ تاریخ کے جملہ واقعات کو جدید دور کے تقاضوں سے ہم آہنگ کر کے دیکھا جاسکتا ہے۔برسوں کی بیتی بات یا مشہور سانحہ کو آج کے حادثے سے مدغم کر دیا جاتا ہے کہ انسان پڑھ کر حیران رہ جاتا ہے کہ وقت کہیں رُک سا گیا ہے اور کچھ بھی نہیں بدلا ہے۔

تلمیحات ہر دور،زمانے اور عہد کی استعاراتی قبریں ہوتی ہیں جن میں مُردوں کی جگہ احساسات دفن ہوتے ہیں۔انسان احساس سے عاری ہو جائے تو جانور اور اس میں فرق باقی نہیں رہتا۔یہ فرق ہر دور میں روا رکھنے کی لوگ کوشش کرتے آئے ہیں لیکن وقت ثابت کر دیتا ہے کہ تاریخ کا دھارا جب پلٹا ہے تو اپنے باطن میں کئی اسَرار لے کر آتا ہے اور سانحات کی صورت یہ بتلاتا ہے کہ سب کچھ اس سے پہلے بھی ہو چکا ہے اور بارہا ہو چکا ہے،کچھ بھی نیا اور انوکھا نہیں ہے۔

آتش تلمیح کی اس معنویاتی گہرائی اور گیرائی کو اچھے سے سمجھتے تھے،اس لیے ان کے ہاں تلمیحات کا جس قدر تنوع ملتا ہے وہ ان کے ہم عصر کے شعرا خال خال دکھائی دیتا ہے۔آتش نے اوجھل ہو جانے والی اور مردود قرار دی ہوئی تلمیحات کو بھی نئے مفاہیم پہنائے ہیں جس سے صنعتِ تلمیح کی وقعت و اہمیت میں نہ صرف اضافہ ہوا ہے بلکہ ان کے تلامذہ نے تقلیدِ اُستاذ سے اس تاثر کو مبنی بر حقیقت ثابت کر دکھایا ہے۔

آتش کی غزلیات میں دینِ اسلام کی مشہور شخصیات سے متصل واقعات و قصص کا بیان ملتا ہے۔ آتش کی اسلامی تلمیحات پڑھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ یہ معلومات محض رسمی اور اقتباسی نہیں ہے بلکہ تجربے سے گزاری ہوئی واردات اور چشم دید واقعات کا جملہ احوال ہے جسے کسی صورت نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ آتش کے ہاں تصوف اور مذہب سے لگاؤ کا عنصر ان کی زندگی کا ماحصل ہے۔

اس مقالہ میں آتش کی غزلیات میں اسلامی تلمیحات کے متنوع استعمالات کا تجزیہ کیا گیا ہے جس کا مقصد کلامِ آتش میں تلمیحات کی مذہبی معنویت اور اس کے ابلاغی وصف کے وسیع کینوس کو تنقیدی نگاہ سے پرکھتے ہوئے آتش کے مذہبی رجحانات کی تعین کرنا مقصود ہے تاکہ آتش شناسی کے باب میں ایک خوبصورت اضافہ ہو سکے اور تحقیق کے میدان میں آتش کی شاعری کا تلمیحاتی تنوع سامنے لایا جا سکے۔ ذیل میں اختصار کے ساتھ آتش کی غزلیات میں اسلامی واقعات و قصص سے متصل تلمیحات کا تجزیاتی جائزہ پیشِ خدمت ہے۔

آتشِ طور: آتشِ طور سے مراد کوہ طور میں وادی طویٰ کے مقام پر بھڑکی ہوئی وہ آگ ہے جو ایک درخت سے شعلہ کی طرح نمودار ہوئی جسے دیکھ کر موسیٰؑ گھبرا گئے۔ اس آگ کے توسط سے رب تعالیٰ نے موسیٰؑ سے کلام کیا اور انھیں نبوت و صحائف سے نوازا۔ آتش حالاتِ ناسازگار کا تذکرہ آتشِ طور کی رعایت کے حوالے سے کرتے ہیں کہتے ہیں کہ دل کو طور کی آتش جلا رہی ہے اور کسی پردہ نشیں کی لن ترانی کی صدا کانوں میں گونج رہی ہے اور میں عزیزو کو پکار کر کہہ رہا ہوں کہ مرنے سے پہلے مجھے جلوہ یار کا دیدار نصیب ہو لینے دو کہ روح کو قرار میسر آ سکے خواہ سیکڑوں آندھیاں آئیں اور لاکھ گھر جل کا خاکستر ہو جائیں لیکن اس دردِ دیدار کی دوا ہونا ضروری ہے۔

- "جلاتی ہے دل آتش طور کی طرح / کس پردہ نشیں کی لن ترانی [کلیات آتش، یاے تختانی:341]"
- "طور کو کیجیو آتش کو عزیزو! تم دفن / آرزو اس کو بہت جلوہ دیدار کی تھی [کلیات آتش، یاے تختانی:373]"

آتشِ نمرود: آتش نمرود سے مراد نمرود کی جلائی ہوئی آگ ہے جس میں حضرت ابراہیمؑ کو بتوں کے بے گناہ منہدم کر دینے کے بدلے میں بطور سزا پھینکا جانا قرار پایا تھا۔ رب تعالیٰ نے اس آگ کو اپنے پیغمبر کے لیے گلزار یعنی ٹھنڈا اور ناقابلِ گزند بنا دیا تھا جس سے ابراہیمؑ کی وحدانیت کے دعویٰ کو حقیقت کا اثبات ملا اور نمرود کے ارادے کو شکست نصیب ہوئی۔

"حضرت ابراہیمؑ اور ان کے عہد کے متفکر کبر آمیز غلغلہ رکھنے والے کافر بادشاہِ نمرود کے درمیان احد و موحد اور شرک و متشرک کا خوبصورت مکالمہ ہے۔ آتشِ نمرود سے مراد وہ آگ ہے جو نمرود نے ابراہیمؑ کے لیے بطور سزا تجویز کر کے جلوائی تھی جو اللہ کے حکم سے گلزار بن گئی تھی" (۲)

آتش رب تعالیٰ کو مشکل اور کڑے وقت میں اپنے پیغمبر خلیلؑ کا حامی قرار دیتے ہیں اور کہتے ہیں دوست مہربان ہو تو دشمن کا کوئی وار اور حربہ کارگر نہیں ہو سکتا کہ نمرود اپنے پُشتے سے مغز کے کیڑے جھاڑنے کی سزا سے خود کو ہلکان کر رہا ہے کہ دعویٰ خدائی دراصل دعویٰ بربادیِ دائمی ہے۔

- "باغ و بہار آتشِ نمرود کو کیا / مشکل کے وقت حامی ہوا تو خلیلؑ کا[کلیات آتش، ر، الف، ص:59]"
- "مہرباں ہو دوست، کچھ دُشمن کا چل سکتا نہیں / آتشِ نمرود ہے گلزار ابرہیم کو[کلیات آتش، ر، و، ص:304]
"
- "جھاڑ دیے مغز سے کبر کے کیڑے جو تھے / خاک برابر کیا پُشتے نے نمرود کو[کلیات آتش، ر، و، ص:325]"

آوازِ صور : آوازِ صور سے مراد ایک بیانگ دُہل آواز ہے جو قیامت کے دن نفخِ صور سے پھونکی جائے گی۔ رب تعالیٰ نے قیامت کے دن کو برپا کرنے کے لیے اسرافیل نامی فرشتے کو مقرر کر رکھا ہے جس کے ہاتھ میں ایک صور یعنی نفخ ہے جس کی آواز سنتے ہی کل کائنات وماورائے کائنات میں ہر چیز پل بھر میں نیست ونابود ہو جائے گی اور کچھ بھی باقی نہ رہے گا۔

آتش محبوبِ بے مرورت کی پازین کی جھنکار کو صور سے تشبیہ دے رہے ہیں۔ کہتے ہیں کہ محبوب اپنی پازین کی جھنکار مجھ کو سنادے تو یہ میرے لیے حشر برپا کرنے سے کسی طرح کم نہیں ہو گا۔ آتش کے ہاں تلمیحات کے معاملے میں یہ رویہ نظر آتا ہے کہ معمولی سے معمولی خیال کو کسی قدیم قصص سے اس طرح ہم آہنگ کرتے ہیں کہ خیال معمولی سطح سے اُٹھ کر غیر معمولی حیثیت اختیار کر جاتا ہے۔ ایک عاشق کے لیے معشوق کے پاؤں کی پازیب کی جھنکار صور ایسا حشر برپا کر سکتی ہے یہ حقیقت کے منافی تو ہو سکتا ہے لیکن شاعرانہ نکتہ نظر سے فنی بلوغت کا شاہکار مرقع قرار دینے میں کوئی قباحت نہیں ہے۔

- "خلخالِ پائے یار میں آوازِ صور ہے / بیدارِ بختِ خُفتہ ءاہلِ قبور ہوں[کلیات آتش، ر، ن، ص:263]"
- "اپنی پازیب کی جھنکار سنا و مجھ کو / کھولنے کا میں نہیں غلغلہ صور سے آنکھ[کلیات آتش، ہائے ہوز:331]"

اخوانِ یوسفؑ: اخوانِ یوسف سے مراد برادرانِ یوسف ہیں۔ رب تعالیٰ نے یوسفؑ کو حسین و جمیل بنایا تھا اور بے شمار خصائص آپؑ کی شخصیت میں ودیعت کر رکھے تھے۔ یوسفؑ کو رب تعالیٰ نے بطور نبی مبعوث فرمایا تھا۔ انھیں بچپن میں ایک خواب دکھایا گیا جس میں چاند اور سورج اور ستارے انھیں سجدہ کر رہے ہیں۔ یہ خواب باپ یعقوبؑ کو سنایا جس سے ان کے برادر کو علم ہونے پر حسد بڑھا اور انھوں نے آپؑ کو کنویں میں گرا کر دم لیا۔

"برادرانِ یوسفؑ یا اخوانِ یوسف کا کنایہ حاسد اور ظالم بھائیوں کے لیے آتا ہے۔ حضرت یوسفؑ کے بھائی ان سے بہت جلتے تھے۔ ہر وقت وہ یوسفؑ کو اپنے راستے سے ہٹانے کی فکر میں رہتے تھے۔ ایک دن بہانے سے جنگل میں لے جا کر کنویں میں گرا دیا اور واپسی پر باپ سے بھیڑیا یوسفؑ کو کھا جانے کا جھوٹا واقعہ سنایا جس پر یعقوبؑ کو بہت صدمہ پہنچا اور بیٹے کی یاد میں رفتہ رفتہ ان کی بینائی چلی گئی"۔ (۳)

آتش نے اخوان یوسفؑ تلمیح سے منفرد نکتہ تراشا ہے۔ کہتے ہیں یوسفؑ کے بھائیوں نے انھیں کنویں میں گرا کر ایک طرح سے ان کی مصر میں سکونت کی راہ ہموار کی تھی۔ آتش نے خود کو یوسفؑ کے احوال میں مبتلا محسوس کیا ہے اور دیارِ غیر کی مسافرت کو اخوانِ یوسفؑ ایسے بھائیوں کی وجہ سے اختیار کیا۔ آتش کے یوسف کی روشن قسمت پر رشک کیا ہے اور بھائیوں کے حسد کو اپنے لیے ساز گار اور نیک فال قرار دیا ہے۔ آتش نے یہ تاثر دیا ہے کہ یوسف ایسا عالی ظرف اور وسیع

القب نبی تھے جنھوں نے سب کچھ جانتے سمجھتے ہوئے بھی اپنے بھائیوں کو معاف کر دیا اور انتقام کا شائبہ بھی اپنے قریب نہ آنے دیا۔

؎ "کنویں میں یوسف کنعان کو پھینکا اخواں نے/نہ سمجھے مصر کے چلنے کا پاتراب ہوا[کلیات آتش، ر، الف، ص:78]"

؎ "مصر تک پہنچے نہ جو کنعاں سے وہ یوسفؑ ہوں میں/دستِ اخواں سے چُھٹا تو بھیڑیا لے جائے گا[کلیات آتش، ر، الف، ص:114]"

؎ "اخواں کی عداوت سے ہوا شہرہ ءیوسفؑ/کچھ پیش نہیں جاتی ہے قسمت کے دھنی سے[کلیات آتش، یاے تختانی:381]"

اعجازِ موسیٰ : اعجازِ موسیٰؑ سے مراد موسیٰؑ کے معجزات کا اعجاز ہے جو بنی اسرائیلؑ کی اصلاح کے لیے رب تعالیٰ نے موسیٰؑ کو ودیعت کیا تھا۔ موسیٰؑ رب تالیٰ کے برگزیدہ نبی تھے اور محبوب وچُنیدہ تھے انھیں محبوب ترین قوم یعنی بنی اسرائیل کی طرف مبعوث کیا گیا اور بہت سے اعزازات و انعامات و آسائیش سے نوازا گیا مگر اس قوم نے وحدانیت کے قائل ہونے سے یکسر انکار کر دیا اور کفر و الحاد پر مصر رہی۔ آتش نے اعجازِ موسیٰؑ تلمیح سے موسیٰؑ کی تمام تر کوششوں اور جہد مسلسل کا مضمون یہاں باندھا ہے کہ رب تعالیٰ کے ازن کے بغیر کسی کے قلب میں ایمان و ایقان کی روشنی القا نہیں کی جا سکتی خواہ مبلغ و مصلح میں کیسی ہی صفات موجود کیوں نہ ہوں کہ یہ سب منشائے ایزدی کے نظامِ کُن پر منحصر ہے۔

؎ "دکھایا حُسن سے اعجازِ موسیٰ،کلکِ قدر ت نے/یدِ بیضا بنایا چور انگشتِ حنائی کا[کلیات آتش، ر، الف، ص:57]"

؎ "حُسن کا افسوں دکھاتا معجز روح اللہی/نقشِ پا تیرا یدِ بیضا سے بیعت مانگتا[کلیات آتش، ر، الف، ص:64]"

اعجازِ عیسیٰؑ : اعجازِ عیسیٰؑ سے مراد عیسیٰؑ کا اپنی قوم کے لیے جہد مسلسل کرنا ہے اور ان کو معجزات کے ذریعے رب تعالیٰ کی وحدانیت کا قائل کرنا اور کفر و شرک سے تائب ہو کر ایک خدائے واحد کی عبادت پر لگانا ہے۔ رب تعالیٰ نے عیسیٰؑ کو متعدد معجزات سے نوازا تھا۔ آپ ٹھوکر مار کر مردے کو زندہ کر لیتے تھے۔ آپ کی قوم نے آپ کے ہر طرح کے اعجاز کے مقابلے میں کفر و جہالت کا مظاہرہ کیا اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ آپ کو ہی پھانسی پر چڑھانے کے درپئے ہو گئے۔ آتش نے اس صورتحال کو سامری کی فسوں کاری سے تشبیہ دی ہے۔ سامری کا معاملہ موسیٰؑ کے ساتھ تھا نہ عیسیٰؑ کے ساتھ تاہم شاعر کا اپنا انداز ہے کہ وہ ماضی کے واقعات سے اپنے عہد کے کرداروں کو کہیں تنبیہ کرتا ہے اور کہیں سخت سست الفاظ میں اپنی فکر سے متاثر کرنا چاہتا ہے۔ آتش نے مقامِ مسیحا کو بلند خیال کیا ہے اور محبوب بے مروت کی سحر کاری کے آگے خود کو سرنگوں ہوتے محسوس کیا ہے۔

؎ "لبِ جاں بخش کے اعجاز کا ہے عیسیٰ ہے قتیل/سامری کشتہ ہے آنکھوں کی فسوں کاری کا[کلیات آتش، ر، الف، ص:83]"

- "ٹھوکر ہے تری صاحبِ اعجازِ مسیحا/ نالہ تری خلخال کا ہے "قم" سے زیادہ[کلیات آتش، ہاے ہوز:329]"
- "ٹھوکریں مار کے مُردوں کو ہے زندہ کرتا/ میرے یوسف سے ہے اعجازِ مسیحا باقی[کلیات آتش، یاے تحتانی:419]"

اعجازِ خلیلؑ : اعجازِ خلیلؑ سے مراد رب تعالیٰ کا حضرت ابراہیمؑ کے لیے آگ کا گلزار کر دینا ہے۔ حضرت ابراہیمؑ نمرود کے زمانے میں بتوں کو مہندم کرنے کے الزام میں دھر لیے گئے تھے اور ایک بھرے مجمع کے سامنے ایک بہت بڑا الاؤ جلایا گیا جس میں آپؑ کو بطور سزا جلا دینے کی تجویز پر فیصلہ ہوا تھا۔ نمرود کے حواریوں نے جب منجنیق سے آپؑ کو الاؤ میں گرا نے کی کوشش کی تو اِسی لمحے رب تعالیٰ نے آگ کو گلزار یعنی ٹھنڈا کر دیا اور آپؑ صحیح سلامت آگ سے باہر آگئے۔ اس واقعہ کو شعرا نے مختلف انداز میں بیان کیا ہے اور بیسویں تلمیحات تراشی ہیں۔ آتش کہتے ہیں کہ عشق کی صداقت کا یہ اعجاز ہے کہ آگ سے گل پیدا ہو گیا ہے۔ آگ کو گلزار بنانے کا واقعہ اس سے قبل اور مابعد ہنوز دُہرایا نہ جا سکا۔ آتش نے عشقِ ابراہیمی کو خوب واضح کیا ہے۔

- "عشق نے ہم کو دکھایا آج اعجازِ خلیلؑ آگ سے پیدا ہمارے ہاتھ کا گل ہو گیا[کلیات ناسخ، جلد ۲، ح، اول:31]"

الف لام میم: الف، لام، میم قرآنی تلمیح ہے جو سورہ البقرہ کی پہلی آیت ہے۔ الف لام میم کو حروف مقطعات کہا جاتا ہے۔ یعنی علاحدہ علاحدہ پڑھے جانے والے حروف اور ان کے معنی کے بارے میں کوئی مستند روایت نہیں ہے۔ حضور اکرمؐ سے منسوب ایک روایت ہے جس کا مفہوم ہے کہ الم ایک حرف ہے بلکہ الف ایک حرف، میم ایک حرف اور لام ایک حرف ہے اور ہر حرف ہر ایک نیکی ایک نیکی کا اجر دس گنا ہے۔ کلاسیکی غزل میں الف لام میم سے مراد محبوب کا قد یعنی دروازی قد مراد لیا جاتا ہے۔ شعرا نے الف سے قامتِ جاناں بھی مراد لیا ہے۔ آتش کے ہاں بھی اسی روایت کا تتبع نظر آتا ہے۔ کہتے ہیں کہ محبوبِ بے مروت کا دراز قد دیکھ کر خوش ہونے کی ضرورت نہیں کہ اس درازی قد کے فتنے سے تم آگاہ نہیں ہو اور یہ بے مروتی کا ستم تم سے سہانہ جائے گا کہ قامتِ جاناں کا الم طولانی شبِ ہجراں سے کم نہیں۔

- "خوش ہو نہ دیکھ کر قد و زلف و دہانِ یار/ حرفِ الم عیاں ہے الف لام میم سے[کلیات آتش، یاے تحتانی:405]"

انگشتِ سلیمانؑ: انگشتِ سلیمانؑ سے مراد وہ انگوٹھی ہے جس میں اسم اعظم کندہ تھا جس کی برکت سے حضرت سلیمانؑ انسانوں جنوں اور دیگر مخلوقات پر کلی دسترس رکھتے تھے۔ اس انگشت کا ذکر کلاسیکی غزل میں جملہ شعرا کے کلام میں یکساں ملتا ہے۔ رب تعالیٰ نے حضرت سلیمان کو متعدد معجزات سے نوازا تھا جن میں انگشت سلیمان مرکزی حیثیت رکھتا ہے۔

"مہرِ سلیمانؑ سے مراد یہی دستخط والی علامت لی جاتی ہے۔ حضرت سلیمانؑ جنات کے سردار اور حاکم تھے۔ جنات دریاؤں کی گہرائی سے موتی نکال لاتے تھے۔ سلیمانؑ کے زمانے میں انگوٹھی کو مہر یعنی دستخط کی علامت کے طور پر استعمال کیا جاتا تھا"۔[۴]

آتش نے انگشتِ سلیمان تلمیح کے پس پردہ اُس واقعے کا ذکر کیا ہے جو سیلمانؑ کی انگوٹھی چرانے سے تعلق رکھتا ہے۔ مشہور ہے کہ ایک دیو نے حضرت سلیمانؑ کی انگوٹھی کا کسی طرح چرالیا تھا اور انگوٹھی کے اسرار کی نسبت سے تخت سلیمان پر براجمان ہو گیا تھا تاہم رب تعالیٰ بہت جلد اس کی سرکوبی کر دی اور تخت سلیمانؑ کو واپس مل گیا۔ آتش کا نکتہ نظر یہ ہے کہ اگر کوئی دیو انگوٹھی چرانے سے تخت سلیمانؑ پر بیٹھ کر بادشاہ ہونے کا دعویٰ کرتا ہے تو اس کے دعویٰ میں کوئی صداقت نہیں ہے۔

۔ "چرانے سے نہ ہو گی دیو کے زیرِ نگیں کشور / تصرف ہے تو انگشتِ سلیماں میں ہے خاتم کا[کلیات آتش،ر،الف،ص:128]"

۔ "سوزِ غم سے نہیں ہر گز دلِ بیتاب کو رنج / ایک سیماب کو اورنگِ سلیمانؑ ہے[کلیات ناسخ،جلد اول،ص:356]"

۔ "فصلِ گل میں بادِ پُر وحشت اڑاتی ہے ہمیں / ہاتھ آجاتا ہے اورنگِ سلیماں ہر برس[کلیات ناسخ، جلد ۲،ح،اول:229]"

بسم اللہ :بسم اللہ قرآنی تلمیح ہے جو قرآن کی ۱۱۲ سورتوں کے آغاز میں آئی ہے۔اس آیہ سے کسی کام کی ابتدا مراد لی جاتی ہے۔بسم اللہ کی ایک تاریخی اہمیت موجود ہے۔ مشہور ہے کہ جب کچھ نہ تھا یعنی رب تعالیٰ کے علاوہ کچھ نہ بنا تھا اس وقت رب تعالیٰ نے بسم اللہ آسمان پر لکھی اس کے بعد اپنے نور علیین سے انبیا و رسل کی روحوں کو تخلیق کیا اور آسمان و زمین میں موجود اور ماورائے کائنات تخلیق کیا۔

"بسم اللہ کو تسمیہ بھی کہتے ہیں۔ یہ آیت حضرت سلیمانؑ کی طرف سے بلقیس کو بھیجے جانے والے خط کے سلسلے میں نزول ہوئی تھی۔ پوری آیت "انہ من سلیمٰن وانہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" ہے"۔ (۵)

آتش کے ہاں بسم اللہ کو ابتدائے تعلق کی نسبت سے دیکھا گیا ہے۔ کہتے ہیں کہ علم عشق کی ابتدا بسم اللہ سے شروع کی گئی اور اس میں اُستاد اور شاگرد دونوں کو طفل پری رو کی حمایت حاصل ہے۔ کہتے ہیں میں محبوبِ یار کے رُخِ انور کو بسم اللہ پڑھ کر دیکھتا ہوں تو علم محبت سے شناسائی کی راہ ہموار ہو جاتی ہے۔ شعرا محبوب کے چہرے کو قرآن سے تشبیہ دیتے ہیں اور جمالِ حُسنِ یار کے نظارہ کو بسم اللہ پڑھ کر دیکھنا باعثِ نجاتِ آلام و افکارِ جاناں سمجھتے ہیں۔

۔ "دل کو ابروائے صنم کا شیفتہ کرتی ہے آنکھ / درس دیتا ہے معلم پہلے بسم اللہ کا[کلیات آتش،ر،الف،ص:78]"

۔ "کیا اُستاد کو شاگرد اُس طفل پری رونے / پڑھایا روزِ بسم اللہ علمِ عشق مُلا کو[کلیات آتش،ر،و،ص:317]"

۔ "پڑھا ہوں علم محبت میں روز بسم اللہ / کتابی چہرہ ہے دیکھا کتاب کے بدلے[کلیات آتش،یائے تحتانی:446]"

بوئے یوسفؑ: بوئے یوسفؑ سے مراد حضرت یوسفؑ کی قمیص کی وہ خوشبو ہے جس کے سونگھنے اور آنکھوں سے لگانے کے نتیجے میں حضرت یعقوبؑ کی آنکھوں کی بینائی واپس آگئی تھی۔ حضرت یوسفؑ کو ان کے بھائیوں نے حسداً کنویں میں گرا دیا تھا جہاں سے مصری قافلہ نکال کر انھیں لے گیا تھا اور عزیز مصر کے ہاں ایک مدت رہ کر تختِ مصر پر جلوہ افروز ہوئے تھے۔ قحط کے دوران برادرِ یوسف مدد کے لیے یوسفؑ کے پاس آئے تو انھوں نے باپ کے احوال سے آگاہی حاصل کر کے اپنی قمیص دی جسے آنکھوں سے لگاتے ہی یعقوبؑ باپ کی بینائی لوٹ آئی۔

آتش بوئے یوسفؑ کی نسبت سے عشق کا منتہائے مقصود سمجھانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ کہتے ہیں کہ عشق اور محبت کا باہمی خلا اس وقت مٹ جاتا ہے جب قمیص کی خوشبو عودِ بصارت کا آئینہ بن جائے۔ آتش نے زلیخا کے حوالے سے بوئے یوسف کو علامتی انداز میں بطور کنایہ برتا ہے۔ آتش نے پھولوں کے ہار سے بوئے یوسفؑ کے آنے کی خبر دی ہے۔ شعرا کا انداز ہے وہ ماضی کے قصص سے حسبِ حال صورت کا بیانیہ تراش لیتے ہیں۔

- "دماغِ حضرت یعقوبؑ عاشق اِس کو کہتے ہیں / ہوئی ہے بوئے یوسفؑ یار کی پوشاک سے پیدا [کلیات آتش، ر، الف، ص:67]"
- "دل کو گھر اس گل کی اُلفت کا بنایا چاہیے / بوئے یوسفؑ سے یہ پیراہن بسایا چاہیے [کلیات آتش، یاے تحتانی:377]"
- "نکہتِ گل ہوں میں، کیا مجھ کو گلستاں روکے / بوے پیراہنِ یوسفؑ کو نہ زنداں روکے [کلیات آتش، یات تحتانی:382]"

پُل صراط : پُل صراط ایک مقام ہے جس کے بارے میں مشہور ہے کہ یہ تلوار سے تیز اور بال سے زیادہ باریک ہو گا۔ اس پر سے گزر کر جو آگے بڑھ جائے وہ جنت کا مستحق ہو گا۔ پُل صراط کے حوالے سے بہت سے قصے اور کہانیاں مشہور ہیں جن میں قطعیت سے کسی ایک واقعے یا قصے کو درست قرار نہیں دیا جا سکتا۔ پُل صراط کا تلوار سے تیز اور بال سے باریک ہونا محض تمثیلی بیان ہے نہ کہ اس کو حقیقی تناظر میں دیکھنے اور تصور کرنے کی ضرورت ہے۔

"پُل صراط اور دوزخ کے درمیان کا پُل ہے۔ اس پر سے گزر کر نیک اور پرہیز گار لوگ جنت کو پہنچیں گے۔ کہتے ہیں کہ یہ پُل بال سے باریک اور تلوار کی دھار سے زیادہ تیز ہو گا۔ ایمان والے تیزی کے ساتھ اس پُل سے گزر جائیں گے لیکن مشرکین اسے عبور نہ کر سکیں گے اور اس پر سے گر کر سیدھے جہنم میں جائیں گے"۔ (۶)

آتش بھی روایتی کہانی کے اثر سے خود کو بچا نہ سکے اور پُل صراط کے صبر آزما چڑھائی، اُترائی اور ہمواری سفر سے ذرا خائف سے ہیں۔ کہتے ہیں کہ قیامت کے دن کی ہولناکیوں سے میں آگاہ ہوں میں جانتا ہوں کہ پُل صراط سے گزر کر جنت میں جانا اتنا آسان نہیں ہے تاہم مجھے یقین ہے کہ میں یہ پُل عبور کر لوں گا اور داخلِ بہشت کیا جاؤں گا۔

- "انجام ہو بخیر قیامت کا آشنا! / داخل بہشت میں ہو گزر کر صراط سے [کلیات آتش، یاے تحتانی:437]"

تختِ سلیمان : تخت سلیمانؑ کا تذکرہ کلاسیکی غزل گو شعرا کے تسلسل سے ہوا ہے۔ تخت سلیمان کے بارے میں احادیث و روایات میں بہت سی معلومات ملتی ہے جس سے تخت کے طلسمی اور ناقابلِ بیان صلاحیت کے مالک ہونے کا پتہ چلتا ہے۔ اس تخت کی تراش خراش اور بناوٹ میں ہر اُس قیمتی چیز کا استعمال کیا گیا جو عہدِ سلیمانؑ میں متاع گراں رکھتی تھی۔ یہ تخت خاص طور پر ملکہ صبا یعنی ملکہ بلقیس کے لیے بنوایا گیا تھا۔ اس تخت کو تخت صبا، تخت بلقیس اور تخت سلیمانؑ کہا جاتا ہے۔

"یہ تخت تیس گز لمبا اور تیس گز چوڑا تھا۔ پورا تخت سونے کا بنا ہوا تھا اور جا بجا اس پر جواہرات جڑے ہوئے تھے۔ اس کے پائے یاقوت اور زبرجد کے تھے۔ حضرت سلیمانؑ کے وزیر آصف برخیا نے آنکھ کی جھپک کے اندر اسے اُٹھا کر آنگن سلیمانؑ میں لا دکھایا۔ ملکہ بلقیس کی آمد سے پہلے اس تخت کی موجودگی سلیمان کے دربار میں دیکھ کر بلقیس حیران ہوئی تھی"۔ (۷)

آتش نے تخت سلیمانؑ کی تحسین کی ہے اور اسے انسانی ہنر کا کرشمہ و مرقع قرار دیا ہے اور بلقیس کے حُسن انتخاب اور رُعبِ جلال کا آئینہ تخت بلقیس کو قرار دیا ہے۔ آتش نے صوفیانہ مزاج کے پیشِ نظر تخت بلقیس کی خواہش کے برعکس بورائے فقر کو تخت سلیمانؑ سے برتر و افضل قرار دیا ہے۔ آتش کے ہاں تخت سلیمانؑ کے حوالے سے جداگانہ اُسلوب میں ترشے ہوئے نکتے ملتے ہیں۔ کہیں تخت سلیمانؑ کی خواہش کرتے ہیں اور کہیں اس بوریائے فقر سے کم تر قرار دیتے ہیں اور کہیں محبوبِ بے مرورت سے ملنے کے لیے اختیارِ سلیمانی کی آرزو کرتے ہیں۔ شاعر ایک واقعے کو سو رنگ میں باندھ سکتا ہے۔ یہ اعجاز اس کے تخیل کی وسعت اور زبان کے تنوع کی فروزنی کا پتہ دیتا ہے۔

؎ "کعبہ ساں جائے ادب ہے چار دیوارِ لحد/یاں قدم رکھتا ہے تخت اپنا سلیماںؑ چھوڑ کر[کلیات آتش، ر، ر، ص:215]"

؎ "کیا گُو نقش پائے مو رہم کو خاک ساری نے/جواب بھی چاہیں تو تختِ سلیماںؑ مول لیتے ہیں[کلیات آتش، ر، ن، ص:270]"

؎ "ہوا سے اُڑ کے پہنچا اُس پری پیکر کے کوچے میں/وہ مجنوں ہوں جسے تختِ سلیماںؑ ناتوانی ہے[کلیات آتش، یائے تحتانی:407]"

تجلی طور : تجلی طور سے مراد کوہ طور میں وادی طویٰ کے مقام پر پیش آیا واقعہ ہے جس کے نتیجے میں حضرت موسیٰؑ بے ہوش ہو گئے تھے اور کوہ طور جل کر راکھ ہو گیا تھا۔ موسیٰؑ رب تعالیٰ کی زیارت کے شدید خواہاں تھے اور مُصر تھے جسے رب تعالیٰ نے ایک تجلی طور پر نزول کر کے پورا کر دیا۔

آتش نے تجلی طور تلمیح سے خوبصورت نکتے تراشے ہیں۔ کہتے ہیں کہ موسیٰؑ کو طور پر رب تعالیٰ کا دیدار نصیب ہوا اور مجھ کو بام پر یار نے اپنے حُسن کے جلوے سے محظوظ ہونے کا موقع فراہم کیا۔ آتش نے طور کو سُرمہ ہو کر دائمی شہرت پانے کا جواز اپنے لیے پیدا کر لیا ہے۔ کہتے ہیں کہ ہم بھی طور کی طرح محبوب بے مرورت کے برقِ جمال میں سوختہ ہوئے پڑے

ہیں۔ آتش کے ہاں تجلی طور کی رعایت سے شاعرانہ آہنگ پر مبنی مزاجی محبوب سے وابستہ جذبات کے اظہار کا لائق داد نمونے ملتے ہیں جو غزل کی معنویت اور تلمیحات کی وسعت پذیری کا عمدہ ثبوت ہیں۔

؎ "پُرساں جو ترے حُسن کے عالم کا ہے مجھ سے/مشتاق ہے موسیٰؑ سے تجلّی کے بیاں کا[کلیات آتش،ر،الف،ص:130]"

؎ "خدا کی شان اے بت جلوہ گر ہے حُسن سے تیرے/ تجلی طور پر دیکھی جو تجھ کو بام پر دیکھا[کلیات آتش،ر،الف،ص:135]"

؎ "موسیٰؑ کی طرح ہم کو بھی دیدار ہے شوق کا/آنکھوں کو حوصلہ ہے تجلی کی دید کا[کلیات آتش،ر،الف،ص:152]"

جام کوثر: اسلامی تلمیح ہے جو اپنے اندر ایک نہایت اہم تاریخی واقعہ لیے ہوئے ہے۔ مشہور ہے کہ جنت کے مستحقین کو حضور اکرمؐ اپنے ہاتھوں سے نہر کوثر کا جام پلائیں گے۔ یہ جام دودھ سے زیادہ سفید اور شہد سے زیادہ میٹھا ہو گا۔ اہل تشیع مولا علی کو ساقی کوثر جبکہ اہل احناف حضور اکرمؐ کو ساقی کوثر کے لقب سے مقلب کرتے ہیں۔

"حضرت انس بن مالکؓ روایت کرتے ہیں کہ حضور اکرمؐ نے فرمایا: "معراج کی رات مجھے کوثر نہر کی سیر کروائی گئی جس کے دونوں کنارے خول دار یاقوت سے بنے ہیں۔ سیر کے دوران راہنما فرشتے نے ہاتھ ڈال کر نہر کوثر سے کستوری نکالی"۔"(۸)

آتش نے چشمہ کوثر تلمیح کی رعایت سے دلکش نکتے تراشے ہیں۔ کہتے ہیں کہ زندگی میں دہن یار کی دید سے محروم عاشق کو چشمہ کوثر یعنی بوسہ لب میسر کیسے آسکتا ہے۔ کلاسیکی غزل گو شعرا چشمہ کوثر کو دہنِ محبوب اور بوسہ محبوب سے تشبیہ دیتے ہیں۔ آتش کہتے ہیں کہ پری زادوں کے کوچے میں ہمارے پاؤں گرد آلود ہو گئے ہیں جبکہ حوریں ہمارے پاؤں آب کوثر سے دُھونے کی خواہش رکھتی ہیں۔

؎ "تیرے مستانوں کو جنت میں کہیں گھر ملتا/ہاتھ سے حور کے جام مئے کوثر ملتا[کلیات آتش،ر،الف،ص:153]"

؎ "دہنِ یار نہ آنکھوں کو دکھائی دے گا/زندگی میں ہے کسے چشمہء کوثر ملتا[کلیات آتش،ر،الف،ص:153]"

؎ "لے چلی ہے جو قضا مجھ سے قدح کش کو بہشت/ظرفِ گنجائش مے چشمہ کوثر میں نہیں[کلیات آتش،ر،ن،ص:270]"

چاہ کنعان: چاہ کنعان سے مراد کنعان میں موجود وہ کنواں تھا جس میں برادرانِ یوسف نے بھائی یوسفؑ کو حسد کی وجہ سے گرایا تھا۔ حضرت یوسفؑ کو مصری قافلہ کنواں سے نکال کر مصر لے گیا تھا اور وہاں بازارِ مصر میں عزیز مصر نے انھیں خرید لیا تھا: "ارضِ مقدس (فلسطین) چاہِ یوسف اور چاہِ کنعان کی وجہ سے داستانوی قصوں اور مذہبی توضیحات میں مشہور ہے۔

آتش نے جزو قتی ناکامی یا پستی کو مستقل تقدیر کی علامت نہیں بنایا ہے بلکہ یہ تاثر دیا ہے کہ محبت کے معاملات میں یوسفؑ کی جزو قتی پستی دراصل ان کی سرفرازی کا سبب بن گئی ہے۔ آتش نے چاہ کنعان کو راہِ مصر سے نسبت دی ہے اور یہ نکتہ تراشا ہے کہ عشق کی کشش کا یہ نرالا انداز اس سے پہلے نہیں دیکھا سنا کہ کنویں میں گرنے والا مصر کے بازار سے ہوتا ہوا تختِ مصر پر جا بیٹھے۔

- "راہِ اُلفت میں نہیں اندیشہ پست و بلند کا/گر کے کب یوسفؑ میانِ چاہِ کنعاں رہ گیا[کلیات آتش، ر، الف، ص:73]"
- "ہے نرالی کششِ عشقِ جفاکار کی راہ/چاہ کنعاں میں ملی مصر کے بازار کی راہ[کلیات آتش، ہاے ہوز:326]"
- "دُنیا سے گزرنا سفر مصر ہے ہم کو/چاہِ لحد اپنے لیے یوسف کا کنواں ہے[کلیات آتش، یاے تحتانی:457]"

چراغِ طور: چراغِ طور سے مراد کوہ طور میں وادی طویٰ میں موجود ایک شجر کا جلنا ہے جس سے رب تعالیٰ نے موسیٰؑ سے گفتگو کی تھی اور انھیں نبوت و صحائف سے نوازا تھا۔ اس واقعے کو شعرا نے دسیوں مختلف تلمیحات میں بیان کیا ہے۔ چراغ طور، شعلہ طور، برق طور، نخل طور اسی واقعے سے منسوب تلمیحات ہیں۔ چراغِ طور سے متعلق مزید تفصیل (تلمیح: تجلی طور) کے تحت دیکھیں۔ آتش نے وادی ایمن کی رعایت سے محبوب بے مرورت کے دیئے زخموں کے داغ کو سینہ کی شگاف پیراہنی سے تشبیہ دی ہے اور یہ تاثر دیا ہے کہ حُسن کے جلوے کے آگے روئے روشن کی جھلک ماند کیسے پڑ سکتی ہے کہ قدرتِ حق کے جلوے کی تاب عاشقِ بیتاب کی بساط سے بہت پرے کی چیز ہے۔

- "دکھائی حُسن نے قدرت خدا کی آکے جوبن پر/چراغِ طور کا عالم ہے تیرے روئے روشن پر[کلیات آتش، ر، ر، ص:218]"
- "شمع ایمن وہ سراپا نور پیراہن میں ہے/داغِ سینہ یاں چراغِ طور پیراہن میں ہے[کلیات آتش، یاے تحتانی:357]"

حُسنِ یوسفؑ: حُسن یوسفؑ سے مراد حضرت یوسفؑ کا حُسن و جمال ہے۔ رب تعالیٰ نے حضرت یوسفؑ کو دُنیا کا حسین ترین اور صاحبِ ذوق پیغمبر بنایا تھا۔ آپؑ کے حُسن کا یہ عالم تھا کہ مصر کے بادشاہ کی بیگم زلیخا آپؑ کی نظر کی گھائل ہو گئی اور دل و جان سے آپؑ کے عشق میں ایسی مبتلا ہوئی کہ تمام حدود سے متجاوز کر گئی۔ حُسن یوسفؑ کی جھلک کے آگے کسی کو تاب نہیں۔ مصر کی خواتین نے آپؑ کے حُسن کے آگے اپنے ہاتھوں کو کاٹ ڈالا۔ آتش حُسن یوسفؑ تلمیح کی رعایت سے دلکش نکتے تراشتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ دل میں محبت کی جا حُسن یوسفؑ کی دلپذیری کے بغیر ممکن نہیں کہ حُسن کی تابانی زندانی کو فروزنی عطا کرتی ہے۔ بازارِ مصر میں حُسن یوسف کی خریداری ممکن نہ تھی کہ کثرتِ خریدار کا تعلق رونقِ بازاری سے ہے۔ فانوسِ خیالِ زلیخا کی ضوفشانی زندانی یوسفؑ کی تابانی سے درخشندگی پاتی ہے۔

- "یوسفؑ کے حُسن کے ہیں جو ہیں کارواں میں مست/نالہ سرود کا ہے انھیں شور زنگ کا[کلیات آتش، ر، الف، ص:134]"

- "حُسنِ یوسفؑ ہے وہی رونق بازار اب تک / وہی کثرت ہے جو کثرت کہ خریدار کی تھی[کلیات آتش، یاے تختانی:373]"
- "دل میں رکھتے ہیں محبت جو تری پوشیدہ / حُسنِ یوسفؑ سے ہیں روشن وہی زنداں کرتے[کلیات آتش، یاے تختانی:381]"

دیدہءیعقوبؑ : دیدہ یعقوبؑ سے مراد حضرت یعقوبؑ کی بصارت ہے۔ حضرت یعقوبؑ اپنے بیٹے یوسفؑ کی جدائی میں دن رات گریہ زاری کرتے رہتے تھے۔ گریہ زاری کے مسلسل عمل کی وجہ سے آہستہ آہستہ ان کی بینائی کم ہوتی چلی گئی۔ بالا آخر انھیں دکھائی دینا بند ہو گیا۔ قحط کے بعد برادرانِ یوسفؑ سے مصر میں ملاقات کے دوران باپ کے احوال کا علم ہوا تو یوسفؑ نے اپنی قمیص انھیں دی جسے آنکھوں سے لگاتے ہی بینائی لوٹ آئی۔ اس واقعے کو قرآن میں سورہ یوسف کی ذیل میں تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ آتش نے دیدہ ے یعقوب سے کہیں سنجیدہ اور کہیں تفنن طبع کے حامل نکتے تراشے ہیں کہتے ہیں یادِ پسر میں پدر نے کیا خوب گریہ زاری کی کہ ایک دریا آنسوؤں کا بہا ڈالا اور یوسفؑ اگر چاہے تو اس میں نہالے۔ آتش نے دیدہ یعقوب کی نظر کو سراپا یوسفؑ کے جلوہ سے تشبیہ دی ہے۔ کہتے ہیں کہ اگر دیدہ یعقوبؑ میسر آجائے تو پھر جدھر نگاہ اُٹھے گی یوسفؑ نظر آئے گا۔

- "واہ رے اندھیر بہر روشنیِ شہر مصر / دیدہءیعقوبؑ سے نورِ نظر جاتا رہا[کلیات آتش، ر، الف، ص:100]"
- "مرے یوسفؑ کو لہر آئی اگر اس میں نہانے کی / حباب اک ایک ہو گا دیدہ یعقوبؑ دریا میں[کلیات آتش، ر، ن، ص:259]"
- "دیدہ یعقوب سے دیکھا جو عالم کی طرف / یوسف اُس بازار میں ہر سُو نظر آیا مجھے[کلیات آتش، یاے تختانی:420]"

روزِ حشر: روزِ حشر سے مراد قیامت کا دن ہے۔ قیامت کے دن کی نسبت سے کلاسیکی غزل گو شعرا نے بیسویوں تلمیحات وضع کی ہیں جن سے قیامت کی المناک صورت حال اور حساب و کتاب اور جملہ آثار قیامت کے معاملات کا پتہ چلتا ہے۔ حشر کے دن سورج سوا نیزے پر ہو گا یعنی سوا میل کی دوری تک نزدیک دُنیا آجائے گا۔ ہر چیز صور کے نتیجے کے فنا و نابود ہو جائے گی۔ کوئی کسی کا مددگار اور والی نہ ہو گا۔ نفسا نفسی کے اس عالم میں ہر شخص اپنے حساب کی باز پُرس کا جوابدہ منتظرِ شفاعت ہو گا.

آتش روزِ محشر اور موت کی حقیقت اور بعد از موت حسابِ اعمال کی باز پُرس پر یقین رکھتے ہیں۔ تفنن طبع کے طور پر کہتے ہیں کہ کاتبِ اعمال اپنی مرضی سے جو لکھنا چاہے لکھ لیں کہ میں روزِ محشر سارا معاملہ رب کے حضور پیش کر دوں گا۔ کلاسیکی غزل گو شعرا کاتب اعمال اور کراماً کاتبین کو سخت سُست سنانے سے باز نہیں آتے۔ ان سے چھیڑ چھاڑ کرتے ہیں اور پھبتیاں کَستے ہیں۔ آتش نے خود کو دیوانہ قرار دے کر حسابِ اعمال کی پوچھ گچھ سے ماورا یعنی اثنا لے لیا ہے۔ آتش جفائے کے

آگے خود کو ہر طرح سے چت کر چکا ہے اور ہر قسم کے آلامِ اُخروی کے مول لینے کی کیفیت میں سرنگوں ہو چکا ہے۔ روزِ محشر آتش کے نزدیک شفاعتِ مولا علیؓ سے آسان ہو جائے گا۔

- "جو چاہیں لکھ لیں کاتبِ اعمال چار دن/دیکھوں گا روزِ حشر میں کاغذ حساب کا[کلیات آتش،ر،الف،ص:104]"
- "اے موت روزِ حشر کرے گانہ پھر نمود/ نخلِ حیات قطع نہ بنیاد سے ہوا[کلیات آتش،ر،الف،ص:121]"
- "ہجر کی شب ہو چکی روز قیامت سے دراز/دوش سے نیچے نہیں اُترے ابھی گیسوے دوست[کلیات آتش،ر،ب،ص:182]"

سنگِ طُور: سنگِ طور سے مراد کوہ طور ہے۔ کوہ طور کا واقعہ قرآن میں مذکور ہوا ہے۔ یہ واقعہ حضرت موسیٰؑ کے کوہ طور میں ایک مقدس مقام یعنی وادی طویٰ میں پیش آیا جہاں رب تعالیٰ نے موسیٰؑ کے اصرار پر نور کی تجلی گرائی تھی جس کی تاب نہ لاتے ہوئے موسیٰ بے ہوش ہو گئے تھے۔ اس واقعے کو شعرا نے بیسیویوں تلمیحات میں جدا جدا حوالوں اور نکات سے بیان کیا ہے۔ آتش سنگِ طور کے پس پردہ واقعے کی رعایت سے محبوبِ بے مرورت کے مسکن کو کوہ طور سے تشبیہ دیتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ میں بھی موسیٰؑ کی طرح محبوبِ بے مرورت کے سنگِ طور کا مشتاق ہوں اور میری آنکھیں سنگِ طور کے دیدار کے انتظار میں پھر گئیں ہیں جبکہ تجلی کی ایک جھلک ہنوز مجھ روسیاہ پر پڑنے سے احتراز کر رہی ہے۔

- "مشتاق اس قدر ہوں خدا کے حضور کا/سجدہ کرو ں جو بُت بھی ملے سنگِ طور کا[کلیات آتش،،ر،الف،ص:163]"
- "اس قدر آنکھیں مری محوِ تجلا ہو گئیں/پُتلیاں پتھرا کے آخر سنگِ موسیٰ ہو گئیں[کلیات آتش،ر،ن،ص:258]"

شبِ معراج: شب معراج اسلامی تعلیمات میں نہایت متبرک اور مبارک رات تصور کی جاتی ہے۔ اس رات مومنین کا حساب و کتاب کا عمل ایک سال کے لیے ہوتا ہے اس حساب و کتاب کے عمل اور رزق اُولاد و خوشی و آلام کے حصے کو شب برات سے بھی منسوب کیا جاتا ہے۔ معراج کی رات حضور اکرمؐ براق پر سوار ہو کر بیت المقدس سے ساتویں آسمان تک گئے اور وہاں سے آگے تنہا رب تعالیٰ سے ملاقات کے لیے گئے۔

آتش نے شب برات کو وصالِ یار کے ملن کی مبارک رات بتایا ہے۔ آتش نے محبوب کے وصال کی تصدیق کی ہے اور یہ بتایا ہے کہ میرے لیے اب ہر رات شب برات ہے اور میں گردنِ مینا میں ہاتھ ڈال کے سوتا ہوں۔ یہ شعر آتش کی جوانی کے رہے ہوں گے کہ اواخر عمر میں تو انھیں صوفیانہ فکر سے شدید لگاؤ ہو گیا تھا۔ آتش نے دیگر شعرا کی طرح شب برات اور معراج کے موضوع کو روایت سے الگ نہیں برتا۔

- "مبارک شبِ قدر سے بھی وہ شب تھی / سحر تک مہ و مشتری کا قرآں تھا[کلیات آتش،ر،الف،ص:143]"

- "شب برات جو زلفِ سیاہ یار ہوئی / جبیں سے صبح مہِ عید آشکار ہوئی[کلیات آتش، یاے تختانی:365]"
- "ہر شب شب برات ہے، ہر روز روزِ عید ہے / سوتا ہوں ہاتھ گردنِ مینا میں ڈال کے[کلیات آتش، یاے تختانی:372]"

صورِ اسرافیل: صورِ اسرافیل سے مراد وہ صور ہے جسے قیامت کے دن حضرت اسرافیل پھونکیں گے جس سے دُنیا میں حشر برپا ہو جائے گا۔ اس صور کی آواز اتنی لرزہ خیز اور دہشت ناک ہو گی کہ ہر چیز آناً فاناً نیست و نابود ہو جائے گی اور کچھ بھی باقی نہ رہے گا۔

"صور کے لغوی معنی، تُرہی، قرنا اور نرسنگھا کے ہیں۔ قدیم بابلی، آرامی، سامی اور عبرانی شاہوں جلال و جلوس اور اعلانِ جنگ میں قرنا / نرسنگھا پھونکنے کا رواج تھا۔ قرنا / نرسنگھا کو شاہی جلال کے اظہار اور انتہائی خطرہ کی علامت سمجھا جاتا تھا"۔(۹)

کلاسیکی غزل گو شعرا صورِ اسرافیل کو افسانہ اور دیدار و وعید کے معنوں میں لیتے ہیں۔ آتش کے ہاں بھی اسی روایتی معنویت کا تتبع ملتا ہے۔ کہتے ہیں کہ دیدار کے وعدہ کی گھڑی قریب آرہی ہے اور کان صدائے صورِ اسرافیل یعنی آمد کے گھڑیال کی آواز کے منتظر ہیں۔ آتش نے فتنہ محشر کی برپائی کیفیت کو نالہ شبگیر سے تشبیہ دی ہے۔

- "صورِ اسرافیل کا پھنکا اسے افسانہ ہے /کُشتہ ہے جو تیرے بالائے قیامت خیز کا[کلیات آتش، ر، الف، ص:142]"
- "صور پھونکا نہ مرے نالہ ء شبگیر نے کب! / چونک چونک اُٹھتے نہیں فتنہ ء محشر کس دن[کلیات آتش، ر، ن، ص:299]"
- "منتظر ہے چشمِ روز وعدہ ء دیدار کی / گوش مشتاقِ صدائے صور اسرافیل ہے[کلیات آتش، یاے تختانی:355]"

طوفانِ نوحؑ: طوفانِ نوحؑ سے مراد عہدِ نوح میں تیز بارش سے آنے والے طوفان کی طرف اشارہ ہے جس نے پوری دُنیا کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا اور کوئی چیز باقی نہ بچی تھی۔ کل ذی حیات اس بارش یعنی طوفان کی نذر ہو گئی ہے۔ کوہ جودی پہاڑ پر اٹکی کشتی نوحؑ میں موجود انسان اور دیگر مخلوقات زندہ رہی تھی۔ نوحؑ کو آدمؑ ثانی اس لیے کہا جاتا ہے کہ طوفانِ نوحؑ کے نتیجے میں رب تعالیٰ نے دُنیا میں موجود ہر چیز کو تلف کر دیا تھا۔ آتش نے طوفانِ نوحؑ تلمیح میں روایتی موضوع کا تتبع کیا ہے۔ کہتے ہیں کہ محبوبِ بے مروت کی یاد میں مرے اشکوں نے دریا اُٹھا دیا ہے جس میں محبت کی کشتی کو پار اُترنے میں مشکل پیش آرہی ہے۔ آتش نے اپنی قسمت کی برگشتگی کو طوفانِ نوحؑ کی علامت ٹھہرایا ہے۔

- "ایک دن فرصت جو میں برگشتہ قسمت مانگتا / دیدہ ء تر نوحؑ کے طوفاں کی رُخصت مانگتا[کلیات آتش، ر، الف، ص:64]"
- "پار اُتریں خاک بحرِ محبت کی کشتیاں / طوفانِ نوح رہتا ہے بادِ مراد سے[کلیات آتش، یاے تختانی:400]"

؎ "طوفانِ نوحؑ ہے مرے اشکوں کے جوش سے/مرغِ ہوا سے ماہیِ دریا بلند ہے[کلیات آتش، یاے تختانی:421]"

کراماکاتبین : کراماً کاتبین سے مراد وہ فرشتے ہیں جو انسان کی پیدائش کے ساتھ اس کے شعور سنبھالتے اور گناہ و ثواب کے اہل ہوتے ہی اس کے جملہ دُنیاوی اعمال و افعال کا حساب لکھتے ہیں۔ انسان کی موت کے بعد قیامت کے دن متوفیٰ کا حساب یعنی نامہ اعمال رب تعالیٰ کے حضور پیش کیا جائے گا اور اس کی بابت باز پُرس ہو گی۔ اگر متوفیٰ وہاں جھوٹ بولے گا اور اتہام کی کوشش کرے گا تو اس کے اعضا بول کر مذکوہ فعل کی انجام دہی کی گواہی دیں گے

آتش موت کی حقیقت پر یقین رکھتے ہیں اور رحمت الٰہی پر اس سے زیادہ ایقان رکھتے ہیں۔ آتش کہتے ہیں کہ جسے کراماً کاتبین کا خوف لاحق ہے وہ گویا قسمت کے لکھے اور رحمتِ الٰہی پر یقین نہیں رکھتا کہ رب تعالیٰ کے اختیار اور اس کی رحمت پر اچھے بُرے ٹھکانے کا انحصار ہے۔ آتش نے تفنن طبع کے طور پر کراماً کاتبین کی کارستانیوں کو آنسوؤں سے دُھوڈالنے کی ترکیب تراشی ہے تاہم رونے دُھونے اور آپ و بقا سے نام اعمال کی سیاہی دُھل سکتی ہے اگر اس گریہ و بقا میں توبہ کی صداقت اور ایمان کی حلاوت اور تعلق کا خلوص پایا جائے۔

؎ "کبھی قسمت کے لکھے سے زیادہ لکھ نہیں سکتے/وہ ناداں ہے جسے خوفِ کراماً کاتبیں آیا[کلیات آتش، ر، الف، ص:113]"

؎ "دل میں آتا ہے کہ اک دن روکے دُھو ڈالوں انھیں/روز لکھتے ہیں کراماً کاتبیں دو چار بند[کلیات آتش، ر، د، ص:206]"

گنجِ قارون : گنجِ قارون سے مراد قارون کی دولت ہے۔ قارون ایک شخص تھا جس کا عہدِ زمانہ موسیٰؑ کے قریب کا بتایا جاتا ہے۔ مشہور ہے کہ اس شہر کو رب تعالیٰ نے اتنی دولت دی رکھی تھی کہ اس کی دولت کے خزانوں کی چابیاں چالیس یا ستر اونٹوں پر لادی جاتی تھیں۔ اسے زکوٰۃ دینے اور رب تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے اور مستحقین کی مدد کرنے کی تلقین کی گئی تو اس نے کبر و نخوت اور بخل و کنجوسی سے از حد کام لیا جس کا نتیجہ اس کی دولت سمیت زمین مین غرقابی کی صورت نکلا۔

آتش نے قارون کو دولت کا عاشق قرار دے کر دولت کو اس کی معشوقہ سے تشبیہ دی ہے۔ کہتے ہیں کہ عاشق کے ساتھ معشوق کا انجام عشقِ کامل کی اوجِ معراج پر متمکن ہونے سے ہوتا ہے۔ یہ معاملہ عجب ہے کہ آج قارون اپنی معشوقہ دولت کے ساتھ زمین میں گڑا ہے۔ آتش نے خود کو سائلِ دولتِ دُنیا کہا ہے اور ہوسِ دولتِ میں گنجِ قاروں سے اوقات نہ کٹنے کا گلہ کیا ہے۔ آتش کا مزاج صوفیانہ ہے اور ان کی طبیعت میں دُنیاداری کی بجائے فقیری اور قناعت کو زیادہ دخل ہے۔ ان کے اشعار براہ راست عوام کے عمومی رد عمل کا نتیجہ ہوتے ہیں۔ آتش نے دستِ حاجت سے اپنے ہاتھ کو قلم کر رکھا ہے اور دولتِ فقر کو دولتِ قارون پر ترجیح دی ہے۔

؎ "محبت ہوتی ہے معشوق کو بھی عشقِ کامل سے/زمیں میں ساتھ قاروں کے گڑا ہے گنج قاروں کا[کلیات آتش، ر، الف، ص:126]"

؎ "سائلِ دولتِ دُنیا ہوں میں اے آتش کیا/گنجِ قاروں سے بھی اوقات نہیں کٹتی ہے[کلیات آتش، یاے تختانی:352]"

؎ "دستِ حاجت کو کیا تیغِ قناعت نے قلم/گنجِ قاروں سے خدا نے دی بڑی دولت مجھے[کلیات آتش، یاے تختانی:457]"

لن ترانی: لن ترانی سے مراد "تو مجھے ہر گز نہیں دیکھ سکتا"۔ یہ قرآنی تلمیح ہے جو اپنے وجود میں ایک پس منظر رکھتی ہے۔ حضرت موسیٰؑ کو رب تعالیٰ کے دیدار کا لپکا پڑا ہوا تھا اور وہ بہانے بہانے سے اپنی خواہش کا اظہار کرتے تھے۔ رب تعالیٰ نے ایک دن ان کی خواہش کو پورا کر دیا۔

"حضرت موسیٰؑ نے طورِ سینا پر اللہ تعالیٰ سے اس کی تجلی دیکھنے کا اشتیاق ظاہر کرتے ہوئے کہا تھا: ارنی یعنی مجھے اپنا آپ دکھا۔ جواب میں خدا نے فرمایا تھا: لن ترانی یعنی تو مجھے ہر گز نہ دیکھ سکے گا/تو میرے دیدار کی تاب نہ لا سکے گا"۔[۱۰]

اُردو زبان میں لن ترانی بطور محاورہ بھی مستعمل ہے جس کا مطلب لمبی چھوڑنا اور بے جا مبالغہ سے کام لینا ہے۔ آتش کے ہاں محبوبِ بے مرورت کے حوالے سے مبالغہ اور تحسین کا عنصر دکھائی دیتا ہے۔ آتش نے موسیٰ پیغمبر کا نام لے کر یعنی جواز ٹھہرا کر محبوب کے دیدار کی خواہش کی ہے اور "ارنی ارنی" کہہ کر محبوب کو اپنی قلبی آرزو کی طرف متوجہ کیا ہے۔

؎ "پیغمبر میں نہیں، عاشق ہوں جانی!/رہے موسیٰؑ ہی سے یہ "لن ترانی"[کلیات آتش، یاے تختانی:340]"

؎ "جلاتی ہے دل آتش طور کی طرح/کس پردہ نشیں کی لن ترانی[کلیات آتش، یاے تختانی:341]"

؎ "منہ دکھاو بہت رہی تکرار/"ارنی" اور "لن ترانی" کی[کلیات آتش، یاے تختانی:385]"

لوحِ محفوظ :لوحِ محفوظ سے مراد عرشِ عظیم پر ایک مقام ہے جہاں کل جہان و ماورائے جہان کے اسرار و رموز اور حیات و ممات اور جملہ کائنات کے نظام کے انصرام سے متعلق احکامات موجود ہیں جن پر فرشتے اور دیگر مخلوقات رب تعالیٰ کی منشا کے مطابق اپنی تفویض کردہ ذمہ داریاں خوش اسلوبی سے انجام دے رہیں ہیں۔

"لوحِ محفوظ احکاماتِ خداوندی کی اس تختی کو کہتے ہیں جس پر شروع سے آخر تک دُنیا میں ہونے والے تمام واقعات لکھے ہیں۔ مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ تخلیقِ آدم سے پہلے قدرت نے تمام ہونے والے واقعات کو قلمبند کر دیا ہے۔ ابتدائے آفرینش میں اللہ تعالیٰ نے جو فیصلے کر دیئے ہیں وہ اٹل ہیں"۔[۱۱]

آتش نے لوح محفوظ تلمیح کی رعایت سے اپنے کام کے تئیں یعنی شاعرانہ تعلی سے کام لیا ہے اور یہ تاثر دیا ہے کہ سلیمانؑ کی انگوٹھی کیا معنی رکھتی ہے کہ ہمارے نام میں لوحِ محفوظ کے جملہ اسرار پنہاں ہیں۔ شاعرانہ تعلی کا معاملہ ہو تو شاعر کا جذباتی انداز لائق تحسین ہوتا ہے۔

؎ "خاتمِ دستِ سلیماںؑ قدر کیا رکھتی ہے یاں/لوحِ محفوظ اک نگینہ ہے ہمارے نام کا[کلیات آتش، ر، الف، ص:85]"

ماہِ کعنان: ماہِ کعنان سے مراد حضرت یوسفؑ ہیں جن کی پیدائش کعنان میں ہوئی تھی۔ رب تعالیٰ نے جو حُسن اور جمال حضرت یوسفؑ کو دیا ہے وہ کسی اور شخصیت کے ماسوائے محمدؐ کے حصے میں نہیں آیا۔ کعنان کی سرزمین نے مصر کے انتظار کو ختم کر دیا کہ یوسفؑ کی شکل میں زلیخا کے خواب کی تعبیر برسوں بعد خود چل کر زلیخا کے در تک پہنچ گئی۔ آتش نے ماہ کعنان کے لیے مصر میں زنداں کی تیاری کا نقشہ کھینچا ہے اور یہ تاثر دیا ہے کہ کعنان کے حُسن کو مصر کے زندان میں مقید ہونے کی تیاری ہو رہی ہے اور ادھر پدرِ حُسن فرقتِ پسر میں گھلا جا رہا ہے۔ آتش نے ماہ کعنا کے حُسن کی رسائی خورشیدِ حجازی سے فزوں قرار دی ہے اور اس میں کوئی شک نہیں ہے۔

ے "جلد ہو بہرِ سفر اے مہ کعناں تیار / ہو چکا تیرے لیے مصر میں زنداں تیار[کلیات آتش، ر، ر، ص:213]"

ے "رسائی مصر تک اُس کی تو اِس کی عرش تک حد ہے / مہ کعناں کو کیا نسبت ہے خورشیدِ حجازی سے[کلیات آتش، یاے تحتانی:334]

نامہ اعمال: نامہ اعمال سے مراد انسان کے جزو کل اعمالِ زیست کا وہ حساب ہے جو کراماً کاتبین یعنی کاتبِ اعمال نے لکھ رکھا ہے۔ رب تعالیٰ نے انسان کی پیدائش سے لے کر آخری سانس تک کا پورا حساب لکھنے کا بندوبست کر رکھا ہے اور اسی حسابِ زیست کے مطابق بعد از موت انسان کے مستقل ٹھکانے یعنی جہنم اور جنت کا فیصلہ ہونا ہے۔ جس نے جو کیا ہے وہ اس کے سامنے ہو گا اور اس سے انکار کسی صورت ممکن نہیں ہو گا۔ آتش نے نامہ اعمال کی سیاہی کو زلفِ سیاہ سے تشبیہ دی ہے۔ آتش نے نامہ اعمال کی سیاہی کو جس خوبصورت انداز میں بیان کیا ہے یہ شاعرانہ انداز اس سے قبل کسی شاعر کے پڑھنے کو نہیں ملا۔

ے "حشر تک ہووے نہ وہ زلفِ سیہ آتشؔ سفید / دوں جسے تشبیہ اپنے نامہ ء اعمال سے[کلیات آتش، یاے تحتانی:406]"

نخلِ طور: نخلِ طور سے مراد وادی طور میں طویٰ کے مقام پر جلنے والا درخت مراد ہے جس کے وسیلے سے رب تعالیٰ نے موسیٰؑ سے گفتگو کی تھی۔ موسیٰؑ اس جلتے ہوئے نخلی یعنی شجر کو آگ سمجھ کر اسے لینے گئے تھے لیکن قریب جانے پر کُھلا کہ یہ معاملہ ہی کچھ اور ہے۔ موسیٰؑ سے رب تعالیٰ کی اس انداز میں ملاقات موسیٰؑ کے لیے حیرت و اچنبہ کی بات تھی تاہم رب تعالیٰؑ نے موسیٰؑ کی ہمت بندھائی اور نخلِ طور کے قریب بٹھا کر گفتگو کی اور نبوت و صحائف سے نوازا۔ آتش نے بیدِ مجنون سے پیوندِ نخلِ طور کا مضمون تراشا ہے اور دونوں واقعات کے درمیان اتصال کا حسین ادغام کیا ہے۔ آتش کہتے ہیں کہ یہ دل وحشی لیلیٰ کا آج بھی دیوانہ ہے اور بیدِ مجنوں کی طرح نخلِ طور کے پیوند کی خواہش کر رہا ہے کہ اس کے بغیر وحشی لیلیٰ کی تسخیر ممکن نہیں ہے۔

ے "ہو نہ اُس لیلیٰ وحشی کا دلِ دیوانہ محو / بیدِ مجنوں سے کہاں پیوند نخلِ طور کا[کلیات آتش، ر، الف، ص:90]"

نُطقِ مسیحؑ: نطق موسیٰ سے مراد موسیٰؑ کا بولنا یعنی نطق بولنے میں تنگی کا احساس ہے۔ مشہور ہے کہ موسیٰؑ جب بچے تھے تب انھوں نے کھیلتے ہوئے ایک شعلے یعنی انگارے کو منہ میں لے لیا جس سے ان کی زبان جل گئی اور ان کی زبان میں لُکنت

پیدا ہو گئی اور عمر بھر یہ لکنت زائل نہ ہو سکی۔ اس واقعے کے برعکس قرآن میں کچھ اور ذکر ہے کہ موسیٰؑ رب تعالیٰ کی وحدانیت کے پرچار اور قومِ بنی اسرائیل کو راہ راست پر لانے کے لیے رب تعالیٰ سے اپنی زبان میں وسعت اور قوتِ گویائی طلب کرتے ہیں جو انھیں عطا کر دی جاتی ہے۔ آتش نے مسیحؑ کو مخاطب کرتے ہوئے نطق کی تنزلی کیفیت پر پشیماں ہونے کی بجائے جو من میں ہے کہہ ڈالنے کی تلقین کی ہے اور یہ چھوٹ دی ہے کہ جو بھی ذہن و قلب و خیال میں موجود ہے وہ کہہ ڈالو کہ کسی لاف کا یاں اندیشہ نہیں ہے۔

؎ "بند ہے سحر زبانی سے تری نُطق مسیحؑ/ جو کہے تو ہے سزاوار تجھے لاف نہیں[کلیات آتش، ر، ن، ص:281]"

یدِ بیضا: یدِ بیضا سے مراد وہ روشن ہاتھ ہے جس سے نور کی شعاعیں دیکھنے والے پر سحر طاری کر دیں۔ یہ معجزہ موسیٰؑ سے منسوب کیا جاتا ہے۔ مشہور ہے کہ موسیٰؑ کے ہاتھ پر بچپن میں انگارہ پکڑنے سے ایک زخم نے اپنا مستقل داغ چھوڑ دیا تھا جس سے رب تعالیٰ نے یدِ بیضا میں بدل ڈالا تھا۔ موسیٰؑ جب اپنا یہ ہاتھ بغل میں لے جا کر باہر نکالتے تھے وہ چمکتا ہوا نور کا ایک ہالہ معلوم ہوتا تھا جسے دیکھنے والے سکتے میں آجاتے ہیں۔

آتش نے سامری کے مصنوعی فن کو یدِ بیضا سے تقابل کرتے ہوئے انتہائی حقیر اور کم تر گردانا ہے۔ آتش نے اُنگشتِ حنائی کو کلک قدرت کا شاہکار قرار دیا ہے اور اسے حُسنِ موسیٰ کا اعجاز قرار دیا ہے۔ ارضی محبوب کے حُسن کے اظہار کے لیے شعرا کے ہاں بہت وسیلے، حوالے، واقعات، قصے اور تمثیلات و رمزیات ہوتی ہیں جن سے مذکور عناصر کی اصلیت پر زد بھی نہیں پڑتی اور شاعر کا مدعا بھی بیان ہو جاتا ہے۔ یہ شاعری اور فن صناعی کا کمال ہے اور یہ اُردو زبان کی وسعت اور اعلیٰ ظرفی کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

؎ "دکھایا حُسن سے اعجازِ موسیٰ، کلکِ قدر ت نے/ یدِ بیضا بنایا چور انگشتِ حنائی کا[کلیات آتش، ر، الف، ص:57]"

؎ "قدرتِ حق ہے صباحت سے تماشا ہے وہ رُخ/ خالِ مشکیں دلِ فرعوں یدِ بیضا ہے وہ رُخ[کلیات آتش، ر، ح، ص:201]"

؎ "یدِ بیضا سا روشن یار کا رُخسار ہے آتشؔ/ لبِ جاں بخش رکھتے ہیں دم پاکِ مسیحا کو[کلیات آتش، ر، و، ص:318]"

آتش کی غزلیات میں تلمیحات کے فنی تنقیدی تجزیئے سے یہ رجحان سامنے آیا ہے کہ آتش نے اپنے کلام میں تلمیح کے فن کو اپنے ہم عصر سے بالکل مختلف انداز میں برتا ہے۔ آتش کی زبان دانی نے ان کی شاعرانہ صلاحیتوں کو ثقیل کیا ہے۔ آتش نے اسلامی تلمیحات کے متنوع استعمال سے جہاں شعر کی فنی اُپج کو توانائی اور جودت عطا کی ہے وہیں تلمیح کے فن کو شاعرانہ معنویت سے بھی ہم آہنگ کیا ہے۔ اس مقالہ کے نتیجے میں یہ امر واضح ہوا ہے کہ آتش کے کلام میں تلمیح کی متنوع مستعمل صورتوں پر مزید کام کرنے کی اشد ضرورت ہے۔

حوالہ جات

1. وزیر آغا، ڈاکٹر، اُردو شاعری کا مزاج، (لاہور: القمر پبلشرز، ۲۰۰۶)، ص:۴۵
2. محمود نیازی، خزانہ تلمیحات، (دہلی: ملک بک ڈپو سن ندارد)، ص:11
3. ثوبان سعید، فرہنگِ تلمیحات، (دہلی: ایم۔ آر پبلی کیشنز، 2011ء)، ص:91
4. محمد شاہد خان، علامہ اقبال کے اُردو کلام میں تلمیحات، غیر مطبوعہ مقالہ، پی ایچ ڈی، (الہآباد: الہ آباد یونی ورسٹی، انڈیا، 2015)، ص167
5. محمود نیازی، خزانہ تلمیحات، ص:91
6. ساجد محمود ، محسن نقوی کی شاعری میں تلمیحات، غیر مطبوعہ مقالہ، ایم فل، (نوشہرہ: ناردرن یونی ورسٹی، نوشہرہ، 2015)، ص:211
7. عطا الرحمن صدیقی، ندوی، ڈاکٹر، اُردو شاعری میں اسلامی تلمیحات، (لکھنو: کاکوری آفیسٹ، 2004)، ص:245
8. نعمان اعجاز، حوض کوثر کیسی ہو گی؟ روزنامہ (لاہور: پاکستان، 03 نومبر، 2018ء)
9. ساجدہ قریشی، تلمیحاتِ انشا مع شخصیات، (نئی دہلی: اسلامک ونڈرس، 2017ء)، ص:69
10. رعطاالرحمان صدیقی ندوی، اُردو شاعری میں اسلامی تلمیحات، ص:402
11. میمونہ ریاض، تلمیحاتِ احمد فراز، مقالہ، ایم فل، (لاہور: جی سی، یونی ورسٹی، 2009ء)، ص:219